کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!

عبدالغفار عزیز

گذشتہ سالوں کی نسبت اس برس رمضان المبارک میں حرمین شریفین حاضری دینے والوں کی تعداد قدرے کم تھی۔ کچھ نہ کچھ عمل دخل اقتصادی بحران اور مہنگائی کا بھی تھا، لیکن زیادہ اہم وجہ سوائن فلو (H1M1) کی وبا تھی۔ اگرچہ دنیا کے کونے کونے سے آنے والے لاکھوں لوگوں کی موجودگی کے باوجود، الحمدللہ اس وبا کے شکار افراد کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے بعض ممالک میں اس وبا کو ایک ایسا ہوّا بنا دیا گیا کہ آنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے والوں اور زائرین کی تعداد میں گذشتہ کئی سالوں سے مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ عالمی تجزیہ نگاروں کی نگاہ میں حج و عمرہ کی طرف لوگوں کی بڑھتی ہوئی یہ رغبت بھی دنیا میں دینی رجحان اور اسلامی بیداری میں اضافے کا ایک مظہر و پیمانہ ہے۔ صرف حج و عمرہ ہی نہیں رمضان المبارک میں اعتکاف، دروسِ قرآن، ختم قرآن اور تراویح کے علاوہ آخری عشرے میں قیام اللیل کا مزید اہتمام بھی، اسی دینی روح میں اضافے کی علامت و دلیل ہے۔

بیت اللہ کے گرد دیوانہ وار طواف کرتے ان پروانوں کا ہجوم اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ حاضری کی تڑپ دل میں سجائے ان زائرین کو دیکھ کر اہلِ ایمان کے دل ہمیشہ مسرت سے جھوم اُٹھتے ہیں۔ سب سے زیادہ طمانیت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہم ایک ہمہ گیر اُمت ہیں۔ دنیا کا کوئی کونہ، کوئی رنگ، کوئی نسل، کوئی زبان، کوئی قوم ایسی نہیں جو ہمارے جسد کا حصّہ نہ ہو۔ ہم سب ایک ہی رب، ایک ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔ رب کے دربار میں پہنچ کر ہر غنی و فقیر، ہر شاہ و گدا، ہر حاکم و محکوم، سب ایک ہی سفید لباس پہننے کے پابند ہیں۔

سب کی زبان پر ایک ہی نغمۂ توحید جاری ہو جاتا ہے۔ عالم و امّی، عابد و عاصی سب اسی سے معافی اور اسی سے عافیت کی التجا کرتے ہیں۔

● دل اس مساوات اور وحدت پر سپاس گزاری اور شکر کے جذبے سے معمور تھا کہ قریب بیٹھے ایک یمنی نوجوان کی گفتگو نے ازحد رنجیدہ و ملول کر دیا۔ تعارف ہونے پر اس نے پہلے وادیِ سوات، اس کے فوجی آپریشن اور لاکھوں بے گھر ہونے والوں کے بارے میں دریافت کیا اور پھر شمالی یمن میں سعودی سرحد کے قریب واقع صوبہ صعدہ میں یمنی فوج اور حُوثی قبیلے کے درمیان وسیع پیمانے پر لڑی جانے والی جنگ کی سنگینی بیان کرنا شروع کر دی۔ یمن میں زیدی شیعہ افراد کافی تعداد میں ہیں۔ چند برس پیش تر یمن کے دارالحکومت صنعاء جانے کا اتفاق ہوا تھا تو مساجد میں اہلِ سنت اور زیدی حضرات شانہ بشانہ مشترکہ طور پر نمازیں ادا کرتے تھے۔ ہم نے مغرب کی نماز ایک بڑی اور تاریخی مسجد میں ادا کی تھی۔ زیدی عقائد کے مطابق مغرب اور عشاء کی نمازوں میں آدھ پون گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ باقی افراد نمازِ مغرب کے بعد چلے گئے، زیدی مذہب کے پیروکار مسجد ہی میں مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دروس و اذکار میں مصروف رہے اور پھر نمازِ عشاء کے لیے صف بندی شروع ہو گئی۔

صوبہ صعدہ میں اب حُوثی قبیلے کے افراد سے ایک بڑی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اگرچہ اس جنگ کی بنیاد مذہبی اختلاف نہیں ہے لیکن برسرِ پیکار حُوثیین کی اکثریت زیدی ہے جنھوں نے مرکزی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر رکھا ہے۔ واضح رہے کہ یمنی صدر خود بھی زیدی ہے۔ اس لڑائی میں اب تک سیکڑوں افراد کے مارے جانے کی اطلاعات آچکی ہیں۔ ہزاروں خاندان ہجرت پر مجبور ہو چکے ہیں۔ طرفین بھاری اسلحے کا استعمال کر رہے ہیں۔ یمنی نوجوان جو اَب سعودی عرب کی ایک یونی ورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دے رہا ہے، بتا رہا تھا کہ اس لڑائی کے کئی پہلو ناقابلِ فہم اور کئی انتہائی تشویش ناک ہیں۔ سب سے ناقابلِ فہم بات تو یہ ہے کہ خود حکومت اس لڑائی کو طول دینا چاہتی ہے۔ ۲۰۰۴ء سے جاری اس بغاوت اور جھڑپوں میں کئی مواقع ایسے آئے کہ جب بغاوت کرنے والوں کا مکمل خاتمہ یقینی تھا، لیکن عین موقع پر صدر کی مداخلت کے باعث جنگ کو فیصلہ کن ہونے سے روک دیا گیا۔ دوسری طرف باغیوں کی طرف سے بھی ایک طویل مدتی جنگ

لڑنے کے اعلان کیے جا رہے ہیں۔

عین رمضان المبارک کے تیسرے عشرے کے آغاز کے موقع پر صدر علی عبداللہ صالح نے الجزیرہ ٹی وی چینل کو مفصل انٹرویو دیتے ہوئے ایران کا نام لے کر بیرونی مداخلت کا الزام لگایا۔ انھوں نے کہا کہ ایرانی حکومت تو نہیں، البتہ ایران کی اہم تنظیمات وشخصیات کی طرف سے باغیوں کو مدد دی جارہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ مؤثر ایرانی ادارے اور افراد ہمیں مصالحت کروانے کی پیش کش بھی کر رہے ہیں۔ اسی طرح عراق کے معروف شیعہ رہنما مقتدی الصدر بھی پیش کش بھی کررہے ہیں کہ وہ باغیوں اور حکومت میں مصالحت کروانے کے لیے تیار ہیں۔ صدر مملکت نے الزام لگایا کہ اس کا واضح مطلب ہے کہ ان لوگوں کا باغیوں سے رابطہ اور تعلق ہے، وگرنہ وہ کیسے مصالحت کروا سکتے ہیں۔ یمنی صدر کے ان الزامات کے بعد حُوثی باغیوں سے ہی نہیں دو مسلمان ملکوں کے درمیان کشیدگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ جنگ کی ایک سنگینی اس کا عین سعودی عرب سرحدوں سے قریب ہونا ہے۔ سعودی عرب میں ایک تاثر یہ بھی ہے کہ صدر علی عبداللہ صالح اس لڑائی کے پردے میں سعودی عرب سے بھی کئی پرانے حساب چکانا چاہتا ہے کیونکہ سعودیہ اور یمن کے درمیان سرحدوں کی نشان دہی کے حوالے سے قدیم اختلافات چلے آرہے ہیں۔

اب اس جنگ میں سلفی عناصر کو بھی گھسیٹنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کہا جارہا ہے کہ سعودی سرحد سے قریب برسرِ پیکار ایک شیعہ گروہ کا سامنا کرنے کے علاوہ باقاعدہ افواج کے ساتھ سلفی نوجوانوں کی شرکت ضروری ہے۔ بعض اہم سلفی قائدین نے صدر علی عبداللہ صالح کی تائید کا اعلان کرتے ہوئے 'دفاعِ وطن' کی خاطر مسلح جدوجہد کا اعلان بھی کیا ہے۔

علاقے میں جنگ کے باعث ایک خدشہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اگر یمنی مہاجرین کی بڑی تعداد نے سعودی سرحد پار کر کے وہاں پناہ لے لی تو پناہ گزین کیمپ کے مسائل کے علاوہ، اس صورت حال کو مختلف عالمی اداروں کی طرف سے سعودی عرب میں مداخلت کا بہانہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔

● یمنی نوجوان سے اس جنگ اور اس کے مہلک نتائج پر گفتگو میں یمن کے بعد عراق اور افغانستان کا ذکر چل نکلا۔ رمضان المبارک ہی میں عراق اور افغانستان میں بھی خوں ریزی کے مہیب واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ آئے روز دھماکوں اور فوجی کارروائیوں میں معصوم افغانوں کو

شہید کردیے جانے پر غیور یمنی رنجیدہ تھا۔ پٹرول لے جانے والے ٹینک پر ناٹو افواج کی اندھادھند فائرنگ اور ۷۰ کے قریب افراد کے قتل کے اندوہناک تازہ واقعے نے بھی خون کے آنسو رُلا دیا۔ انھی دنوں بغداد میں کئی وزارتوں کی پوری کی پوری عمارتیں دھماکوں سے اُڑادی گئیں۔

امریکی مداخلت کے بعد سے مسلسل جاری ہلاکتوں کے اس خونیں کھیل میں، عراقی حکومت، پڑوسی ملکوں پر مداخلت کے الزامات لگاتی چلی آرہی ہے۔ حالیہ دھماکوں کے بعد عراقی وزیراعظم نوری المالکی نے حکومتِ شام پر الزام لگایا ہے کہ وہ دہشت گردی کی پشتیبانی کر رہی ہے۔ سفارت کاروں کو دی گئی دعوت افطار سے خطاب کرتے ہوئے پڑوسی ملک پر الزامات کے اعادے نے شام اور عراق کے درمیان تلخی اور تناؤ میں پھر اضافہ کر دیا ہے۔ عراق کے بقول امریکی افواج اور عراقی حکومت کے خلاف 'دہشت گردی' کی کارروائیوں میں شامی سرحد سے آنے والے 'انتہاپسند' شریک ہیں۔ اختلافات کی اس بڑھتی ہوئی خلیج کو کسی بڑے حادثے سے بچانے کے لیے علاقے کے دیگر ممالک بھی فعال ہو رہے ہیں، بالخصوص ترکی کا کردار غیر معمولی ہے۔ تازہ عراقی الزامات اور شام کی طرف سے جوابات کے بعد ترکی وزیرخارجہ نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل سے مل کر عراق و شام کے وزراے خارجہ سے مشترکہ مذاکرات کیے ہیں جو فی الحال مثبت بتائے جارہے ہیں۔

- شام پر الزامات میں عراقی و امریکی حکومت ہی نہیں لبنانی حکومت بھی شریک ہے۔ سابق لبنانی وزیراعظم رفیق حریری کے قتل کا الزام بھی شام پر لگایا گیا تھا۔ گذشتہ کئی عشروں سے لبنان میں موجود شامی افواج کا انخلا انھی الزامات و اختلافات کے بعد عمل میں آیا تھا۔ بعدازاں جب فلسطین پر قابض صہیونی افواج اور حزب اللہ کے مابین جنگ ہوئی تو شام ایک بار پھر عالمی الزام تراشی کا محور بنا۔ پھر لبنان میں سیاسی درجۂ حرارت میں اضافہ ہوا تو شام پر دباؤ میں بھی اضافہ ہوگیا۔ اب تقریباً چار ماہ ہوگئے لبنان میں انتخابات کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ گذشتہ جون میں لبنانی صدر نے رفیق حریری کے بیٹے سعد الحریری کو وزیراعظم کے عہدے کے لیے نامزد کرتے ہوئے حکومت تشکیل دینے کی دعوت دی۔ تب سے سیاسی مذاکرات اور جوڑ توڑ جاری تھے۔ وسط رمضان میں سعد الحریری نے کابینہ کی ایک تجویز پیش کی۔ دعویٰ کیا گیا کہ یہ ایک قومی حکومت ہوگی، لیکن حزب اللہ سمیت اپوزیشن جماعتوں نے یہ وزارتوں کی تقسیم کے لیے سعد الحریری کا پیش کردہ

فارمولا مسترد کردیا۔ نتیجۃً سعد کو حکومت کی تشکیل سے معذرت کرنا پڑی۔ اب دوبارہ سے مذاکرات کا آغاز ہوا ہے۔ صدر نے قانونی تقاضے کے تحت تمام جماعتوں کے پارلیمانی نمایندوں سے دوبارہ مذاکرات کے بعد پھر سعد کو وزیراعظم نامزد کیا ہے لیکن سیاسی اختلافات کا بخار ٹوٹنے کو نہیں آرہا۔ اُمت کے حوالے سے مزید تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ حریری گروپ، ایران اور شام پر اور حزب اللہ واپوزیشن سعودی عرب پر الزامات کی تکرار کررہا ہے۔

● رمضان المبارک اور حرمین شریفین میں وحدت و مساوات کے روح پرور مناظر کے دوران میں ہی متحدہ عرب امارات اور ایران کے درمیان اختلافات میں بھی اچانک اضافہ دیکھنے کو آیا۔ متحدہ عرب امارات کے ساحلوں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے تین جزیرے طُنب الصغریٰ، طُنب الکبریٰ اور ابوموسیٰ عرصے سے نزاع کا باعث ہیں۔ دونوں ملک ان پر ملکیت کا دعویٰ کررہے ہیں۔ چند سال پیش تر ایران نے ان جزیروں پر باقاعدہ فوجیں اُتار دیں اور کہا کہ تاریخی لحاظ سے یہ تینوں جزیرے ایران کا اٹوٹ انگ ہیں۔ یہ شکر ہے کہ اس اختلاف نے مسلح جھڑپوں کی صورت اختیار نہیں کی، لیکن اختلاف گاہے بگاہے نمایاں اور ان کی لَے بلند ہوجاتی ہے۔ اب امارات نے ابوظبی سے کچھ شیعہ علما کو ایران واپس بھجوا دیا ہے اور جواباً ایران نے اٹوٹ انگ کا اعادہ کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک چھوٹا سا سرحدی تنازعہ سعودیہ اور امارات کے درمیان بھی ہے۔ علاقے میں تیل کے ذخائر کے حوالے سے ان سب علاقوں کی بڑی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔

● حرمِ مکہ میں فلسطین سے آئے ہوئے حماس کے قائدین اور موجودہ صومالی حکومت کے ایک وزیر سے بھی ملاقات ہوئی۔ حماس کے ذمہ داران غزہ میں جاری محاصرے اور ۱۵ لاکھ محصور فلسطینیوں کی ناگفتہ بہ صورت حال پر تشویش کا اظہار کررہے تھے۔ ان کا یہ شکوہ مزید رنجیدہ کرنے کا سبب بنا کہ عالمِ اسلام اور اُمت مسلمہ غزہ کے اس حصار سے یوں لاتعلق بیٹھی ہے جیسے ان ڈیڑھ ملین مسلمان بھائیوں سے، ۱۵ لاکھ انسانوں سے، ان کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ دسمبر ۲۰۰۸ء میں جنگ کے دوران تو اُمت نے اخوت ایمانی کا ثبوت دیا لیکن اب اہلِ غزہ پر کیا قیامت ڈھائی جارہی ہے، کسی کو کوئی غرض نہیں۔ حماس کے قائدین نے بتایا کہ ایک طرف غزہ میں صہیونی دشمن کے یہ مظالم ہیں، دوسری طرف وہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کی کوششیں بھی کررہا ہے۔ اب تو اس نے حرم اقصیٰ

میں ہیکل سلیمانی کا ایک دیوہیکل ماڈل لاکر نصب کر دیا ہے کہ یہاں قبلۂ اول کی جگہ، یہودی عبادت گاہ تعمیر ہوگی۔ تیسری جانب وہ مغربی کنارے میں مزید یہودی بستیاں تعمیر کر رہا ہے اور بدقسمتی سے محمود عباس کے ساتھ تعاون میں اضافہ کر رہا ہے۔ اس دوستی کو مکمل امریکی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ خود کانگریس کی ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۷ء سے لے کر امریکا نے حماس مخالف فلسطینی سیکورٹی فورسز کی مدد کے لیے ۱۶۱ ملین ڈالر کی امداد دی ہے۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جون ۲۰۰۹ء میں اس امداد میں مزید ۱۰۹ ملین ڈالر کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اوباما انتظامیہ نے سال ۲۰۱۰ء کے لیے ۱۰۰ ملین ڈالر کی مزید امداد کر دی ہے۔ اس مالی امداد سے حماس مخالف پولیس اور صدارتی فوج کو تربیت دی جائے گی۔

حماس کے پُرعزم ذمہ دار نے کہا: فلسطینی قوم بڑی سخت جان اور ارادے کی پکی ہے۔ ۶۰ سال سے قتل کی جارہی ہے، دھتکاری جارہی ہے لیکن فلسطینی پہلے سے بھی زیادہ سربلند ہیں۔ پہلے سے بھی زیادہ اٹل ارادے کے مالک ہیں۔

یکم رمضان المبارک کو غزہ کے تمام اسکولوں میں تعلیم دوبارہ شروع ہوگئی۔ تعطیلاتِ گرما میں غزہ کے بچوں کو قرآن کریم سے وابستہ کرنے کا ایک عجیب واقعہ سننے کو آیا۔ اگر بتانے والا معتبر نہ ہوتا تو شاید یقین نہ آتا۔ غزہ میں گرما کی تعطیلات کے دوران بچوں کو قرآن کریم حفظ کروانے کا اہتمام کیا گیا۔ صرف چھٹیوں کے تین ماہ کے دوران ساڑھے تین ہزار بچوں نے مکمل قرآن حفظ کرلیا۔ منتخب وزیراعظم اسماعیل ھنیہ کے ۱۶ سالہ صاحبزادے عائد نے تو صرف ۳۵ روز کے اندر مکمل قرآن سینے میں محفوظ کرلیا، سبحان اللہ! عائد نے غزہ میں قائم 'تاج الوقار' کیمپ میں قرآن حفظ کیا۔

حرم میں اُمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلافات پر، خود پاکستان میں امریکی مداخلت اور بڑھتی ہوئی امریکی موجودگی پر، پریشانی اور دعائیں جاری تھیں کہ غزہ سے آنے والی اس خبر نے دلِ مضطر کو قرار سا عطا کر دیا۔ نظریں ایک بار پھر سفید احرامات میں کعبۃ اللہ کے گرد دیوانہ وار طواف کرتے فرزندانِ توحید کی جانب اُٹھ گئیں۔ وحدت و مساوات کا منفرد، عجیب اور اُچھوتا منظر...... دل سے پھر دعا نکلی: پروردگارِ عالم! کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!